اب کوئی رفعت النساء نہیں مرے گی؟

شہزادی نیلوفر‘ ترکی کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔1916ء میں استنبول کے بلند پایہ محل میں پیدا ہوئی۔سلطنت عثمانیہ کا‘ اس دور میں تین براعظموں پر حکم چلتا تھا۔کمال اتاترک نے جب خلافت کا خاتمہ کیا تو نیلوفر اپنی والدہ کے ساتھ فرانس کے ایک متمول شہر نیس میں پناہ گزین ہوگئی۔شہزادی صاحبہ خوبصورتی میں بے مثال تھی۔حیدرآباد کے نظام کے بیٹے معظم جاہ نے نیلوفر کو پہلی بار دیکھا تو دل ہار بیٹھا۔فوراً نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔آپ حیران ہوں گے کہ ترک شاہی خاندان ہی کے ایک فرد شہزادہ عثمان اور ان کی اہلیہ شہزادی کریمہ خاتون نے خواہش ظاہر کی کہ معظم جاہ سے رشتہ کروانے کے عوض انہیں پچیس ہزار برطانوی پاؤنڈ سالانہ ملے گے۔اور ایسے ہی ہوا۔شہزادی نیلوفر کی طلاق 1952ء میں ہوئی۔اس وقت تک یہ پیسے شہزادہ عثمان کو ملتے رہے۔معظم جاہ سے شادی فرانس کے ایک محل Villa Carabacel میں منعقد ہوئی۔یورپ کے تمام اخبارات اور جریدوں نے اس شاہی تقریب کا ذکر کیا۔بارہ دسمبر 1931ء میں یہ حد درجہ نمایاں جوڑا ہندوستان کی ریاست حیدرآباد پہنچ گیا۔ذہن میں رہنا چاہیے کہ پورے برصغیر میں حیدرآباد امیر ترین ریاست تھی۔حیدرآباد کے نظام نیلوفر کی بہت قدر کرتے تھے۔یہ خاتون بغیر برقعے کے‘ ہر شاہی تقریب اور دیگر مجالس میں شامل ہوتی تھی۔نیلوفر واحد خاتون تھی جو نظام کو پاپا کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔باقی تمام لڑکیاں نظام کو سرکار کے خطاب سے بات کرتی تھیں۔شہزادی نیلوفر کو دنیا کی دس خوبصورت ترین خواتین میں شامل کیا گیا۔انہیں حیدرآباد کا کوہ نور قرار دیا گیا۔مگر قسمت دیکھئے کہ معظم جاہ اور شہزادی صاحبہ کبھی بھی صاحب اولاد نہ ہو سکے۔رفعت النساء بیگم شہزادی صاحبہ کی قریبی ترین ملازمہ تھی۔نیلوفر صاحبہ اس پر بھرپور اعتماد کرتی تھیں۔ملازمہ کا تعلق مقامی علاقے ہی سے تھا۔اس کی شادی کے تمام اخراجات شاہی خاندان نے ادا کیئے۔مگر قسمت دیکھئے کہ رفعت النساء زچگی کے دوران مناسب طبی امداد نہ ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئی۔جب نیلوفر کو یہ خبر سنائی گئی تو اس نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔تھوڑی دیر بعد اپنے حواس پر قابو پا کر کھڑی ہوئی اور اس نے ایک تاریخی جملہ کہا‘ اب کوئی رفعت النساء طبی امداد نہ ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں مرے گی۔

نظام کے پاس گئی اور اسے سارا ماجرہ سنایا۔اس زمانے میں بچوں کی پیدائش گھروں میں ہوتی تھی۔ خدانخواستہ اگر کسی حاملہ ماں کو کوئی مسئلہ ہو جائے‘ تو موت کے علاوہ اور کوئی حل نہیں تھا۔نظام کو درخواست کی کہ پوری ریاست میں ایک بھی زچہ بچہ ہسپتال نہیں ہے۔بادشاہ نے کمال فیاضی کرتے ہوئے شہر کے بہترین علاقے میں ہسپتال کے لئے زمین عطیہ کر دی۔اس بیش قیمت علاقے کا نام ریڈ ہلز تھا۔ساتھ ہی خطیر رقم بھی دی تاکہ خواتین اور بچوں کے لئے ایک بہترین ہسپتال بنایا جا سکے۔ابتداء میں اس ہسپتال میں سو خواتین مریضوں کی گنجائش تھی۔1953ء میں بننے والا ہسپتال آج بھی قائم ہے۔2026ء میں اس میں پندرہ سو مریضوں کا جدید ترین علاج کی سہولت موجود ہے۔ہسپتال کا نام نیلوفر ہسپتال ہے۔جو آج بھی لوگوں کی خدمت کے لئے کام کر رہا ہے۔معظم جاہ اور نیلوفر کی شادی زیادہ دیر نہ چل سکی۔اولاد نہ ہونے کا علاج شہزادی صاحبہ یورپ اور امریکہ کے بہترین ہسپتالوں میں کرواتی رہیں۔مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل پایا۔چنانچہ معظم جاہ نے رضیہ بیگم سے دوسری شادی کی۔اس کے بعد نیلوفر فرانس میں اپنی والدہ کے ساتھ منتقل ہوگئیں۔

حیدرآباد کے شاہی خاندان میں شہزادی صاحبہ کے ساتھ‘ ترکی کے شاہی خاندان ہی کی ایک اور شہزادی بھی شادی کے بعد منتقل ہوئیں تھیں جن کا نام درشہوار تھا۔درشہوار کے والد نیلوفر کے قریبی عزیز تھے۔جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔تو ترک حکومت نے تدفین کی اجازت نہیں دی۔خلافت اور بادشاہت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔اب درشہوار کے والد کو کہاں دفن کیا جائے؟ آپ حیران ہوں گے کہ یہ معاملہ پاکستان کی حکومت نے حل کیا۔نیلوفر شہزادی نے ملک غلام محمد کو فون کیا۔جو اس وقت گورنر جنرل پاکستان تھے۔پاکستان آنے سے پہلے وہ نظام کی حکومت میں ایک اہم عہدے پر تعینات تھے۔اس واسطے سے نیلوفر نے پاکستان کے گورنر جنرل کو درخواست کی کہ درشہوار کے والد اور ان کے قریبی عزیز کی باعزت تدفین کا بندوبست کیا جائے۔ملک غلام محمد نے سعودی عرب کے فرمانروا سعود بن عبدالعزیز سے درخواست کی کہ ترکی کے ایک شہزادے کو سعودی عریبہ میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے۔ایسا ہی ہوا۔نیلوفر کی درخواست پر‘ درشہوار کے والد کو سعودی عرب کے جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔نیلوفر ہسپتال آج بھی حاملہ عورتوں کی زندگی بچا رہا ہے۔ساتھ ساتھ بچوں کے تمام امراض کا کامیابی سے علاج بھی جاری ہے۔نیکی کا یہ عمل کوہ نور ہیرے کی طرح ہندوستان کے شہر حیدرآباد میں دمک رہا ہے۔

طالب علم کا سوال یہ ہے۔کہ حقوق العباد میں دراصل نیکی کی تعریف کیا ہے؟ مکمل طور پر مغرب زدہ نیلوفر نے وہ کام کیا جس کی طرف پہلے کسی نے توجہ نہیں دی۔بلند مرتبے پر بیٹھ کر انسان اپنے سے کم استطاعت والے لوگوں کے لئے کیا کام کرتا ہے‘ یہی نیکی ہے۔جو ہمیشہ قائم و دائم رہتی ہے۔عجیب بات ہے کہ برصغیر میں عام لوگوں کے لئے سہولتیں پہنچانے کے کام میں مسلمان کافی پیچھے رہ گئے۔بٹوارے سے پہلے کا معاملہ دیکھیں۔تو آپ کو لاہور شہر میں ہسپتال‘ کلینک اور دیگر رفاعی کام ہندوؤں اور سکھوں کے دم قدم سے ہوتے معلوم پڑیں گے۔گنگا رام ہسپتال سے لے کر پنجاب یونیورسٹی کی عمارتیں بنانے میں کسی مخیّر مسلمان کا حصہ نہیں۔برصغیر کی تقسیم سے پہلے مسلمانوں میں امیر آدمی بہت کم تھے۔شاید یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مالی اسباب نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں آسانیاں تقسیم نہ کر پائے۔اس ساری صورت حال کے برعکس 1947ء کے بعد تمام مالیاتی‘ انتظامی اور کاروباری اختیارات ہمارے اپنے ہاتھ میں چلے گئے۔یعنی یہ تمام کام ہم مسلمانوں کے پاس تھے۔اور ہیں۔حکومت پاکستان نے کاروبار کو ترقی دینے کے لئے‘ ایسا ماڈل ترتیب دیا جو پوری دنیا میں کہیں نہیں تھا۔حکومت کے محکمے‘ اپنے پیسوں سے کارخانے اور ملیں تعمیر کرتی تھی۔اس کے بعد انہیں پرائیویٹ لوگوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔حکومتی سیڑھی کو معدودے چند افراد نے بھرپور استعمال کیا۔بقول ڈاکٹر محبوب الحق‘ پاکستان کا سرمایہ بائیس خاندانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ حکومتی امداد پر پیسہ کمانے والے یہ بائیس خانوادے کون تھے؟ المیہ یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے‘ حکومتی مدد سے امیر ہونے والے ان خاندانوں میں سے کسی ایک نے بھی عام شہریوں کے لئے سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔دو چار ہسپتال ضرور بنے مگر مجموعی طور پر‘ امراء کا یہ ٹولہ صرف اپنے پیٹ بھرتا رہا۔دولت کو بلا روک ٹوک ملک سے باہر لے جا کر اپنے ہی خاندان کو مزید امیر کرنے میں مصروف رہا۔چلیں چھوڑیئے! پچاس ساٹھ سال پہلے کے اس المیہ کو کیا دہرانا۔موجودہ حالات کی طرف نظر دوڑائے۔چند شعبوں کا ذکر کرتا ہوں۔اس کے بعد تفصیل عرض کروں گا۔بجلی بنانے کے نجی کارخانے‘ سیمنٹ اور چینی بنانے کی ملیں‘ وہ سونے کے انڈے دینے والی مرغیاں ہیں۔جنہوں نے پاکستان کے چند خاندانوں کو ہیرے اور جواہرات میں تول دیا ہے۔پاکستان کے موجودہ سیاسی دو شاہی خاندان اس وقت تمام منافع بخش کاروبار کے واضح یا چھپے ہوئے مالک ہیں۔ان کے پاس اتنی غیر معمولی دولت جمع ہو چکی ہے۔کہ انہوں نے ریاستی اداروں کو بھی بے بس کر ڈالا ہے۔حد درجے ادنیٰ ساکھ کے باوجود یہ ملک کے وسائل پر قابض ہیں۔ان کو جو بھی چیلنج کرتا ہے۔اسے غدار ٹھہرایا جاتا ہے۔مگر ان امیر لوگوں نے آج تک‘ نیلوفر شہزادی کی طرح کوئی فلاحی کام کرنے کی تکلیف گوارہ نہیں کی۔ان کی ہوس کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔وہ شخص جس نے اپنی جائیداد کا ایک ایک روپیہ کینسر کے ہسپتال بنانے کے لئے مختص کر دیا‘ وہ نا صرف پابند سلاسل ہے۔بلکہ بنیادی انسانی سہولتوں سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔معاشرے میں ہر طرف دیکھتا ہوں۔امیر لوگ‘ متوسط اور غریب طبقے سے بہت دور رہتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ‘ کچھ لوگوں کو مفت کھانا فراہم کر کے باقی تمام خدمت کے کاموں سے مبرا نظر آتے ہیں۔ان کے ذاتی اخراجات‘ محلات کی جگمگاہٹ اور بیش قیمت جہاز‘ تمام کے تمام لوگوں کا خون نچوڑ کر فراہم ہوتے ہیں۔المیہ یہ ہے کہ کسی بھی بڑے خاندان میں آج نیلوفر شہزادی موجود نہیں ہے۔جو بے اختیار کہہ اٹھے کہ میں ایک ملازمہ رفت النساء کو مرنے نہیں دوں گی۔اس کے لئے ہر طرح کی طبی سہولتیں اور ہسپتال مہیا کرونگی۔سچ تو یہ ہے اس بنجر معاشرے میں جو بھی فلاحی کام کرنے کی کوشش کرے گا۔وہ نظام کے لئے خطرہ بن جائے گا۔پھر اسے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا جائے گا۔